رسالتِ محمدیؐ پر ایمان کی دعوت

(۲)

دین حق کو پورے نظام زندگی پر غالب کر دینا آپؐ کی بعثت کا آخری مقصد اُس دین و ہدایت کو تمام اقسام کی اطاعتوں اور زندگی کے تمام طریقوں پر غالب کر دینا تھا جسے آپ خدا کی طرف سے لائے تھے۔ اس مقصد کی صراحت قرآن میں تین مقامات پر کی گئی ہے۔ سورۂ توبہ اور الصف میں فرمایا: "وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اسے پوری جنس دین پر غالب کر دے[۱]۔"

---

[۱] آیت میں الدین کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ ہم نے "جنس دین" کیا ہے۔ دین کا لفظ عربی زبان میں اُس نظام زندگی یا طریق زندگی کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کے قائم کرنے والے کو سند اور مُطاع تسلیم کر کے اُس کا اتباع کیا جائے۔ پس بعثتِ رسول کی غرض اس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ جس ہدایت اور دینِ حق کو خدا کی طرف سے اس کا رسول لے کر آیا ہے اسے دین کی نوعیت رکھنے والے تمام طریقوں اور نظاموں پر غالب کر دے۔ دوسرے الفاظ میں رسول کی بعثت کبھی اس غرض کے لیے نہیں ہوئی ہے کہ جو نظام زندگی اللہ کے سوا دوسروں کو سند اور مُطاع مان کر چل رہا ہو، رسول کا لایا ہوا دین اُس کا تابع اور مغلوب بن کر اس کی دی ہوئی رعایتوں اور گنجائشوں میں سمٹ کر رہے بلکہ رسول تو بادشاہِ ارض و سما کا نمائندہ بن کر آتا ہے اور اپنے بادشاہ کے نظامِ حق کو سب طریقوں اور نظاموں پر غالب کرنا چاہتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا نظامِ زندگی دنیا میں رہے بھی تو اُسے خدائی نظام کی بخشی ہوئی رعایتوں اور گنجائشوں میں سمٹ کر رہنا چاہیے جیسا کہ جزیہ ادا کرنے کی صورت میں ذمّیوں کا نظامِ زندگی رہتا ہے۔

خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو" (التوبہ آیت ۳۳ - الصف آیت ۸)۔ یہی مضمون سورۂ فتح میں بیان کرکے فرمایا گیا ہے "اور اِس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے" (آیت ۲۸)

حضورؐ پر ایمان اور آپ کی اطاعت کا حکم انہی مقاصد کے عین مطابق لوگوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں، آپ کی پیروی کریں، آپ کی اطاعت کریں اور ایسے سب لوگوں کی اطاعت چھوڑ دیں جو اللہ سے غافل اور حدِ بندگی سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (التغابن - ۸)۔

پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اُس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (الاعراف - ۱۵۸)۔

پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبیِ اُمّی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات پر ایمان رکھتا ہے اور پیروی اختیار کرو اُس کی تاکہ تمہیں راہِ راست مل جائے۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ (الاعراف - ۳)۔

پیروی کرو اُس ہدایت کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے بھیجی گئی ہے اور اس کے سوا دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو[۱]۔

[۱] یعنی تم کو دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے جس ہدایت و رہنمائی کی ضرورت ہے، اپنی اور کائنات کی حقیقت اور اپنے وجود کی غرض و غایت سمجھنے کے لیے جو علم انہیں درکار ہے، اور اپنے مذہب، اخلاق، تہذیب، معاشرت اور تمدّن کو صحیح بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے جن اُصولوں کے تم محتاج ہو ان سب کے لیے تمہیں صرف اُس ہدایت کی پیروی کرنی چاہیے جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعے سے بھیجی ہے۔ اللہ کی نازل کردہ ہدایت کو چھوڑ کر کسی دوسرے رہنما کی طرف ہدایت کے لیے رجوع کرنا اور اپنے آپ کو اُس کی رہنمائی کے حوالے کر دینا انسان کے لیے بنیادی طور پر ایک غلط طریق کار ہے جس کا نتیجہ ہمیشہ تباہی کی صورت میں نکلا ہے اور ہمیشہ تباہی کی صورت ہی میں نکلے گا۔ یہاں "اولیاء" (سرپرستوں) کا لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے کہ انسان جس کی رہنمائی پر چلتا ہے اُسے درحقیقت اپنا ولی و سرپرست بناتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ (النساء ۔ ۶۴)	ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اِذنِ خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔[1]
مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ (النساء ۔ ۸۰) ۔	جو رسول کی اطاعت کرے اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔
وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔ (الحشر ۔ ۷) ۔	جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے روک دے اس سے رُک جاؤ۔
وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (النور ۔ ۵۲) ۔	اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور اللہ سے ڈرے اور اُس کی نافرمانی سے بچے، ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔
وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (الاحزاب ۳۶) ۔	کسی ایمان لانے والے مرد یا ایمان لانے والی عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کردے تو پھر اسے اپنے معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے ۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں پڑگیا۔
وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ	اور کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس

[1] یعنی خدا کی طرف سے رسول اس لیے نہیں آتا ہے کہ بس اُس کی رسالت پر ایمان لے آؤ اور پھر اطاعت جس کی چاہو کرتے رہو۔ بلکہ رسول کے آنے کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ زندگی کا جو قانون وہ لے کر آیا ہے، تمام قوانین کو چھوڑ کر صرف اُسی کی پیروی کی جائے اور خدا کی طرف سے جو احکام وہ دیتا ہے، تمام احکام کو چھوڑ کر صرف اُنہی پر عمل کیا جائے ۔ اگر کسی نے یہ نہ کیا تو پھر اُس کا محض رسول کو رسول مان لینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا - (الکہف - ۲۸)-

کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جس نے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی کی اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے :

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ (الشعراء ۱۵۱-۱۵۲)-

اور اُن بے لگام لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے۔[1]

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ - فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ - (آل عمران - ۳۲)-

اے نبیؐ، کہہ دو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر وہ (اس بات کو قبول کرنے سے منہ موڑیں تو اللہ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

اب قانون وہ ہے جو اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دیا ہے | اسی طرح حضور کی رسالت کے اعلان اور آپ کی اطاعت و پیروی کے حکم کے ساتھ یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ اب خدا کا قانون وہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دیا گیا ہے، کسی کو اس میں آپ سے نزاع کا حق نہیں ہے، اُس کے خلاف جو کچھ ہے جاہلیت اور طاغوت کی بندگی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے مقرر کردہ حاکم ہیں جن کا کام یہ ہے کہ لوگوں کے معاملات کا فیصلہ اللہ کی نازل کردہ ہدایت کے مطابق کریں۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ - (الجاثیہ - ۱۸)

پھر (بنی اسرائیل کے بعد) اے نبیؐ، ہم نے تم کو دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ (شریعت) پر قائم کر دیا ہے، لہٰذا تم اسی کی پیروی کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔

[1] یعنی اپنے اُن امراء و رؤساء اور ان رہنماؤں اور حاکموں کی اطاعت چھوڑ دو جن کی قیادت میں تمہارا یہ فاسد نظامِ زندگی چل رہا ہے۔ یہ حد سے گزرے ہوئے لوگ ہیں، اخلاق کی ساری حدیں پھاند کر شترِ بے مہار بن چکے ہیں۔ ان کے ہاتھوں سے کوئی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ یہ جس نظام کو چلائیں گے اس میں بگاڑ ہی پھیلے گا۔ تمہارے لیے فلاح کی کوئی صورت اگر ہے تو صرف یہ کہ اپنے اندر خدا ترسی پیدا کرو اور مفسدوں کی اطاعت چھوڑ کر میری اطاعت کرو۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ۔
(الحج - ۶۷)

ہر اُمّت کے لیے ہم نے ایک طریقِ عبادت (یا طریقِ بندگی) مقرر کیا ہے جس کی وہ پیروی کرتی ہے۔ پس اے محمدؐ، اس معاملہ میں وہ تم سے جھگڑا نہ کریں[۱]۔ تم اپنے رب کی طرف دعوت دو، یقیناً تم سیدھے راستے پر ہو۔

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ۔
(النساء - ۱۰۵)

اے نبیؐ، ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمھاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہِ راست اللہ نے تم کو دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ انسانی معاشرے کے لیے جو قواعد بیان کیے گئے اُن کے لیے "حدود اللہ" کے الفاظ استعمال فرمائے گئے، یعنی یہ وہ حدیں ہیں جن کے اندر رہنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ پھر کہیں سختی کے ساتھ متنبہ کیا گیا کہ ان سرحدوں کے قریب نہ پھٹکنا، کہیں فرمایا گیا کہ ان سے تجاوز کرنے والے ظالم ہیں، کہیں ارشاد ہوا کہ ان سے تجاوز کرنے والے اپنے اوپر آپ ظلم کرتے ہیں، اور کہیں خبردار کیا گیا کہ تجاوز کرنے والوں کے لیے نارِ جہنّم یا عذابِ الیم ہے۔ (ملاحظہ ہو البقرہ، آیات ۱۸۷، ۲۲۹ - ۲۳۰ - النساء ۱۳ - ۱۴ - المجادلہ ۴ - الطلاق ۱ - التوبہ ۹۷) - اس سے معلوم ہو گیا کہ اس قانون کی اہمیت کیا ہے جو حضورؐ کے ذریعہ سے انسانوں کو دیا گیا ہے۔

اور پھر صاف صاف خبردار کر دیا گیا کہ:

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ

تو پھر کیا یہ لوگ جاہلیت[۲] کا فیصلہ چاہتے ہیں۔

---

[۱] یعنی جس طرح پہلی اُمتوں کے انبیاءؑ اپنے اپنے دور کے لیے ایک مَنسَک (طریقِ عبادت و بندگی) لائے تھے اسی طرح اِس دور کی اُمّت کے لیے تم ایک مَنسَک لائے ہو۔ اب کسی کو تم سے نزاع کا حق نہیں ہے، کیونکہ اس دَور کے لیے یہی مَنسَک ہے جو تم لائے ہو۔

[۲] جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے کیونکہ اس کی طرف خدا نے رہنمائی کی ہے، جو تمام حقائق کا علم رکھتا ہے۔ اس کے برعکس ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے، جاہلیت کا طریقہ ہے۔

اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (المائدہ - ۵۰)۔

حالانکہ جو لوگ (اللہ پر) یقین رکھتے ہیں ان کے لیے اللہ سے بہتر حکم کس کا ہو سکتا ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (النساء - ۶۰)۔

وہ چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کریں حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ وہ گمراہی میں دُور نکل جائیں۔

دین کے معاملہ میں کسی مصالحت و مداہنت کی گنجائش نہیں

اطاعت و اتباعِ رسول کے اِس صاف صاف حکم کے ساتھ لوگوں کو خبردار کر دیا گیا کہ خدا کے دین کے معاملہ میں کوئی مصالحت و مداہنت نہیں ہو سکتی۔ کسی عقیدے، کسی اصول، کسی ضابطے اور قاعدے اور کسی حکم کے اندر کسی کی خاطر ادنیٰ سا رد و بدل بھی نہیں ہو سکتا۔ جس کو ماننا ہو وہ اُس پورے دین کو مانے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش فرما رہے ہیں، اور جسے نہ ماننا ہو وہ نہ مانے۔ مانے گا تو اپنا ہی بھلا کرے گا، نہ مانے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ یہاں کسی سودے بازی اور لین دین پر سمجھوتے کا قطعاً کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ۔ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ (القلم - ۸ - ۹)

پس اے نبیؐ، جھٹلانے والوں کے دباؤ میں ہرگز نہ آؤ۔ وہ چاہتے ہیں کہ کچھ تم مداہنت کرو تو وہ بھی مداہنت کریں (یعنی تم اسلام کی تبلیغ میں کچھ ڈھیل اختیار کرو تو یہ بھی تمہاری مخالفت میں کچھ نرمی اختیار کر لیں، یا تم ان کی گمراہیوں کی رعایت کر کے اپنے دین میں کچھ ترمیم کر لو تو یہ تمہارے ساتھ مصالحت کر لیں)۔

لہ یہاں صریح طور پر طاغوت سے مراد وہ حاکم ہے جو قانونِ الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو، اور وہ نظامِ عدالت ہے جو نہ تو اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرتا ہو اور نہ اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول کی ہدایت کو آخری سند مانتا ہو۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ۔ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ۔ (یونس۔۱۵)	اور جب انھیں ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں تو جو لوگ (آخرت میں) ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ، یا اس میں کچھ ترمیم کرو[1]۔ اے محمد، ان سے کہو مجھے یہ حق نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کرلوں۔ میں تو بس اُس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے۔
وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ۔ (الکھف۔۲۹)۔	اور کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے اب جس کا جی چاہے مانے اور جس کا جی چاہے نہ مانے۔

[1] مشرکین کا یہ قول اوّل تو اس مفروضے پر مبنی تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ پیش کر رہے ہیں وہ خدا کی طرف سے نہیں ہے بلکہ ان کے اپنے دماغ کی تصنیف ہے اور اس کو خدا کی طرف منسوب کر کے انہوں نے صرف اس لیے پیش کیا ہے کہ ان کی بات کا وزن بڑھ جائے۔ دوسرے اُن کا مطلب یہ تھا کہ یہ تم نے توحید اور آخرت اور اخلاقی پابندیوں کی بحث کیا چھیڑ دی ؟ اگر رہنمائی کے لیے اُٹھے ہو تو کوئی ایسی چیز پیش کرو جس سے قوم کا بھلا ہو اور اس کی دنیا بنتی نظر آئے۔ تاہم اگر تم اپنی اس دعوت کو بالکل نہیں بدلنا چاہتے تو کم از کم اس میں کچھ لچک ہی پیدا کرو تاکہ ہمارے اور تمہارے درمیان کم و بیش پر مصالحت ہو سکے۔ کچھ ہم تمہاری مانیں کچھ تم ہماری مان لو۔ تمہاری توحید میں کچھ ہمارے شرک کے لیے، تمہاری خدا پرستی میں کچھ ہماری نفس پرستی اور دنیا پرستی کے لیے، اور تمہارے عقیدۂ آخرت میں کچھ ہماری اِن اُمیدوں کے لیے بھی گنجائش نکلنی چاہیئے کہ دنیا میں ہم جو چاہیں کرتے رہیں، آخرت میں ہماری کسی نہ کسی طرح نجات ضرور ہو جائے گی۔ پھر تمہارے یہ قطعی اور حتمی اخلاقی اصول بھی ہمارے لیے ناقابلِ قبول ہیں۔ ان میں کچھ ہمارے تعصبات کے لیے، کچھ ہمارے رسم و رواج کے لیے، کچھ ہماری شخصی اور قومی اغراض کے لیے، اور کچھ ہماری خواہشاتِ نفس کے لیے بھی جگہ نکلنی چاہیئے۔ کیوں نہ ایسا ہو کہ دین کے مطالبات کا ایک مناسب دائرہ ہماری اور تمہاری رضامندی سے طے ہو جائے اور اس میں ہم خدا کا حق ادا کر دیا کریں۔ اس کے بعد ہمیں آزاد چھوڑ دیا جائے کہ جس جس طرح اپنی دنیا کے کام چلانا چاہتے ہیں چلائیں۔ مگر تم یہ غضب کر رہے ہو کہ پوری زندگی کو اور سارے معاملات کو توحید و آخرت کے عقیدے اور شریعت کے ضابطے میں کس دینا چاہتے ہو۔

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (النمل - ۹۲)۔

پھر جو ہدایت اختیار کرے وہ اپنے ہی بھلے کے لیے ہدایت اختیار کرے گا اور جو گمراہ ہو اس سے کہہ دو کہ میں تو صرف خبردار کرنے والا ہوں۔

قریش اور مشرکین عرب کا ردِ عمل

اس تفصیل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ دعوتِ اسلامی کا دوسرا نکتہ، یعنی لوگوں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تسلیم کرانا اور اُن کو اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ عقائد و عبادات سے لے کر زندگی کے ہر شعبے تک تمام معاملات میں آپ کی مکمل اطاعت و پیروی قبول کرلیں، اپنے اندر کیا کیا اہمیت رکھتا تھا۔ اس کی اہمیت یہ تھی کہ دین اس کے بغیر عملاً قائم نہ ہو سکتا تھا، اور رسول پر ایمان اور بالفعل اس کی اطاعت کے بغیر محض خدا کی توحید کو تسلیم کرلینا لاحاصل تھا۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو انسان محسوس کرسکتا ہے کہ اللہ کی توحید کو مان لینا قریش اور عام مشرکینِ عرب کے لیے جتنا مشکل تھا، اس سے بہت زیادہ مشکل رسالت کو ماننا تھا۔ اول تو یہی بات ان کے لیے کچھ آسان نہ تھی کہ جو شخص چالیس برس تک اُن کے ہاں عام انسانوں کی طرح رہا بسا تھا اس کے متعلق وہ یہ باور کرلیں کہ یکایک وہ اللہ کا رسول مقرر ہو گیا ہے اور اس کے پاس وحی آنے لگی ہے۔ پھر جو لوگ صدیوں سے بے لگام آزادی کے عادی تھے، ان کے لیے اب ایک شخص کی بے چون و چرا اطاعت اور اپنی پوری زندگی میں اس کے دیئے ہوئے قانون کی پیروی قبول کرلینا بھی کچھ کم دشوار نہ تھا۔ اور اس سے زیادہ سخت دشواری اُن سرداروں کے لیے تھی جو اب تک اپنے اپنے قبیلوں اور گروہوں کے صاحبِ امر بنے ہوئے تھے، اُن مذہبی پیشواؤں کے لیے تھی جو ملک بھر میں شرک کے بڑے بڑے مراکز کا کاروبار چلا رہے تھے، ان کاہنوں کے لیے تھی جو غیب دانی کے مدعی تھے اور جن کی طرف لوگ اپنی گم شدہ چیزوں کے پتے پوچھنے اور اپنے مستقبل کا حال معلوم کرنے کے لیے رجوع کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے یہ رسالت گویا کھلا کھلا پیغامِ موت تھی جسے قبول کرنا تو درکنار، ٹھنڈے دل سے سننا بھی اُن کے لیے ممکن نہ تھا۔ غرض ہر وہ شخص جس کا مفاد پرانے جاہلیت کے نظام کی برقراری سے کسی نہ کسی طور پر وابستہ تھا، اس کے لیے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو مان لیں اور یہ تسلیم کرکے ان کے تابع فرمان بن جائیں کہ جو کچھ وہ پیش کر رہے ہیں وہ خداوندِ ارض و سما کی طرف سے ہے تو پھر معاشرے میں اُس کا چراغ کسی طرح نہ جل سکے گا۔ اس وجہ سے یہ سارے ہی لوگ اپنے مفاد کی حفاظت کے لیے اس بات پر تل گئے کہ رسالت کی اس دعوت کو کسی طرح نہ چلنے دیں، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر عوام الناس

ایک مامور من اللہ رہنما کی پیروی اور ایک مُتنزّل من اللہ دین و آئین کی اطاعت کو مان گئے تو پھر بالآخر انہیں بھی ہتھیار ڈال دینے پڑیں گے اور مُطاع کے بجائے مُطیع بن کر رہنا پڑے گا۔

ایک طرف یہ دشواریاں تھیں تو دوسری طرف ایک اور دشواری اور بڑی سخت دشواری اُن کے لیے یہ تھی کہ رسالت کا دعوٰی لے کر ان کے درمیان ایک ایسا شخص اُٹھا تھا جو ان کی قوم کا بہترین آدمی تھا، جس کی اخلاقی فضیلت کو ساری قوم مانتی تھی، جس کو پانچ ہی سال پہلے ساری قوم نے بالاتفاق امین کہا تھا جس نے اپنی رسالت کا دعوٰی پیش کرنے سے عین پہلے کوہ صفا پر چڑھ کر جب پوچھا تھا کہ "اگر میں تمہیں خبر دوں کہ پہاڑی کے پیچھے ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار ہے تو کیا تم میری بات مانو گے؟ تو سب نے کہا تھا کہ " ہاں، ہم مان لیں گے کیونکہ ہمیں تم سے کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں ہوا ہے۔" اس کے بعد ان کے لیے اسی شخص کو جھوٹا قرار دینا، اور لوگوں کو بھی اس بات کا قائل کر لینا کوئی آسان کام نہ تھا کہ عمر بھر دنیا کے کسی معاملہ میں جو شخص کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا وہ اتنا بڑا "جھوٹ" لے کر اٹھ کھڑا ہوا ہے کہ خدا نے اسے رسول مقرر کیا ہے اور خدا کا کلام اس پر نازل ہوتا ہے۔ (اضافہ از مؤلف)

اسی کے متعلق قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ	اے محمدؐ، ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ
الَّذِیْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا	لوگ بناتے ہیں ان سے تمہیں رنج ہوتا ہے لیکن
يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ	یہ لوگ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیات
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (الانعام ۳۳)	کا انکار کرتے ہیں۔

یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی آیات سنانی شروع نہ کی تھیں، آپ کی قوم کے سب لوگ آپ کو امین اور صادق سمجھتے تھے اور آپ کی راستبازی پر کامل اعتماد رکھتے تھے۔ اُنہوں نے آپ کو جُھٹلایا اُس وقت جب آپ نے اللہ کی طرف سے پیغام پہنچانا شروع کیا۔ اور اس دوسرے دور میں بھی کوئی شخص ایسا نہ تھا جو شخصی حیثیت سے آپ کو جھوٹا قرار دینے کی جرأت کر سکتا ہو۔ آپ کے کسی سخت سے سخت مخالف نے بھی کبھی آپ پر یہ الزام نہیں لگایا کہ آپ دنیا کے کسی معاملہ میں کبھی جھوٹ بولنے کے مرتکب ہوئے ہیں۔ جتنی بھی انہوں نے آپ کی تکذیب کی نبی ہونے کی حیثیت سے کی۔ آپ کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل تھا، اور حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ خود اس نے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اِنا لا نکذبک ولکن نکذب ما جئت بہٖ "ہم آپ کو تو جھوٹا نہیں کہتے، مگر جو کچھ آپ پیش کر رہے ہیں اُسے جھوٹ قرار دیتے ہیں[۱]" جنگ بدر کے موقع پر اَخنس بن شَرِیق نے تخلیہ میں ابوجہل سے پوچھا کہ "یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی تیسرا موجود نہیں ہے، سچ بتاؤ کہ محمدؐ کو تم جھوٹا سمجھتے ہو یا سچا؟ اس نے جواب دیا "خدا کی قسم محمدؐ ایک سچا آدمی ہے، عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ مگر جب لواء، اور حجابت اور سقایت اور نبوت سب کچھ بنی قُصَیّ ہی کے حصے میں آجائے تو بتاؤ باقی سارے قریش کے پاس کیا رہ گیا[۲]؟" اسی بنا پر اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تسلی دے رہا ہے کہ تکذیب دراصل تمہاری نہیں بلکہ ہماری کی جارہی ہے، اور جب ہم تحمل و بردباری کے ساتھ اسے برداشت کیے جارہے ہیں اور ڈھیل پر ڈھیل دیے جاتے ہیں تو تم کیوں مضطرب ہوتے ہو؟

باقی

---

[۱] یہ روایت امام سُفیان ثوری اور حاکم نے حضرت علیؓ سے نقل کی ہے۔ (اضافہ از مؤلف)

[۲] یہ روایت ابن جریر نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔ اخنس بن شَرِیق، جس کا یہاں ذکر کیا جارہا ہے بنی زُہرہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیالی خاندان) سے تھا۔ اگرچہ جنگ میں قریش کے ساتھ آیا تھا، مگر ابن ہشام کا بیان ہے کہ اس نے اور بنی زُہرہ نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔ (اضافہ از مؤلف)